ڈاکٹر ظفر احمد
استاد، شعبہ اردو
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لنگویجز، اسلام آباد

۱۹۸۰ءتک پاکستان میں اُردو اِملا اور رسم الخط کی تحقیق

There were many things that played a significant role in the Pakistan Movement and Urdu language was among them. Urdu-Hindi controversy divided the Indian Leaders who were supporting the unity of Indian people in the beginning. Indian Muslims preferred Urdu and they started working to promote Urdu through various techniques like developing grapheme research. This practice continued in Pakistan and many significant books have been published on Urdu grapheme. Individuals as well as organizations made efforts to promote Urdu and this article discusses some of the major works of post-freedom ear.

تحریک پاکستان کے پس منظری مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس تحریک کو مہمیز کرنے میں اُردو زبان نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ اردو ہندی تنازعے نے ہندوستان کے جید رہنماوں کو جو ہندو مسلم اتحاد کے پرچارک تھے اور برطانوی سامراج سے آزادی کے لیے مشترکہ جدوجہد پر یقین رکھتے تھے، صف آرا کر دیا۔ ان وجوہ کے سبب جہاں اُردو لسانیات کے سرمائے میں عمومی اضافہ ہوا، وہاں اُردو املا اور رسم الخط کے تحقیقی سرمائے میں قابل ذکر کام سامنے آیا۔ پاکستان میں اردو لسانی تحقیق کا یہ سفر جاری رہا اور اس میں روایتی طریقہ ہائے کار کے ساتھ جدید لسانیاتی رویے بھی سامنے آنے لگے۔ اس قدیم و جدید لسانی سرمائے سے جہاں تحقیق کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم ہوتی ہیں وہاں بعض مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں اگر ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے اس جملے کو سامنے رکھا جائے تو صورتحال کا اندازہ لگانے میں آسانی ہو گی۔ 'جامع القواعد' کے پانچویں باب میں انہوں نے اردو املا یا ہجا پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہمارے قواعد نویسوں نے ہجا اور حروف تہجی کے سلسلے میں بھی بڑی الجھادینے والی باتیں کی ہیں۔[۱]

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے یہ دراصل مولوی عبدالحق کے بیان کے جواب میں کہا ہے کہ جس میں مولوی صاحب نے حروف کو ملکوں کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے انسانی گلے کو آلہ موسیقی سے مشابہ قرار دیا تھا۔ اور ہر ملک کے باشندوں کو اپنی مخصوص آوازیں ادا کرنے پر قادر اور اجنبیوں کو اس سے معذور کہا تھا۔ انہوں نے

مولوی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے نہایت تفصیل کے ساتھ جدید لسانی مطالعات کی روشنی میں اردو املا کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ان مطالعات کا لب لباب یہ ہے کہ حروف کو کسی خاص ملک یا خطے کے ساتھ منسلک نہیں کر سکتے۔ رومن اور ابجد کی مثال یہاں پیش کی جاسکتی ہے جو نہ صرف اپنے ملکوں کی زبانوں کے لیے استعمال ہو رہی ہیں بلکہ دنیا کے دیگر خطوں میں مختلف خاندان سے تعلق رکھنے والی زبانیں بھی ان خطوں کو کامیابی سے استعمال کر رہی ہیں۔ یہاں انہوں نے اردو میں رسم الخط اور اصوات کے ضمن میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو صوتیات اور فونیمیات کے جدید مطالعوں کی روشنی میں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ حروف کے ساتھ اصوات کے بارے میں بھی انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انسانی گلا ہر صوت ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ البتہ زبانیں چونکہ چند مخصوص آوازوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس لیے یہ مسئلہ انتخاب اور اختیار کا ہے۔ زبانوں کے اصوات بھی ارتقاءپذیر رہتے ہیں۔ یعنی وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں انہوں نے قدیم ویدک بولیوں اور عربی زبانوں سے بعض اصوات بطور مثال پیش کی ہیں۔

توضیحی صوتیات اور فونیمیات کی بعض اصطلاحات کے ضمن میں بھی انہوں نے اپنی رائے پیش کی ہے۔ مثلاً وتر ان الصوت کی اصطلاح کو وہ مناسب خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ انسانی گلے میں کوئی تار نہیں ہوتی۔ ان کی شکل تاروں کی بجائے انسانی ہونٹوں سے مشابہ ہوتی ہے۔ ' قدیم قواعد نویسوں کو انسانی آلات صوت کی ساخت کا تشریحی علم نہ تھا۔ انہوں نے آلات صوت کا ذکر کیا ہے جو کہ گمراہ کن ہے۔ ' ۲ انسانی گلے سے برآمد ہونے والی اصوات کی دو خاص قسموں کا ذکر کیا گیا ہے، کہ جن کو ادا کرنے میں ان وتر ان صوت کا کردار اہم ہے۔ بعض آوازیں مخارج کے اعتبار سے ایک ہی زمرے میں شامل ہوتی ہیں، البتہ وتر ان صوت سے چونکہ ان کے گزرنے کا عمل مختلف ہوتا ہے لہذا ان میں فرق آجاتا ہے۔ یہ اقسام اسی بنیاد پر بنائی گئی ہیں کہ وتر ان صوت سے آوازیں کیسے گزر رہی ہیں۔ ان قسموں کے لیے انہوں نے صدائی اور غیر صدائی کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ اردو قواعد میں رائج ایک اور غلط فہمی کا تذکرہ کر کے طبعیاتی قوانین کے مطابق اس کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ غلط فہمی طبیعاتی صوتیات میں رائج رہی ہے۔ انہوں نے قدیم رویوں کی نفی کرتے ہوئے اس عمل کی تشریح کی ہے کہ جس میں انسانی سانس گلے سے برآمد ہو کر مختلف واسطوں کے ذریعے سامع کے دماغ تک پیغام رسانی کا باعث بنتی ہے۔ یعنی اس عمل کے دوران سانس آلات صوت اور مختلف مخارج کی وجہ سے ایک خاص صورت اختیار کر کے جب ہونٹوں سے باہر فضا میں داخل ہوتی ہے تب فضا میں پہلے سے موجود ذرات میں ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ ایک لہر سی بنتی ہے اور

پھر یہ لہر اپنی طافت کے مطابق فضا میں چاروں طرف سفر کرتی ہے۔ اس عمل کے دوران یہ نہیں ہوتا کہ متکلم کے منہ سے سانس کے ذریعے بر آمد ہونے والے فضائی ذرات خود ہی فضا میں سفر کر کے سامع کے کانوں سے ٹکراتے ہیں۔ بلکہ متکلم کے منہ سے ادا ہونے والی سانس فضا میں پہلے سے موجود ذرات میں ارتعاش پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ ذرات میں اٹھنے والی یہ لہریں صوت کی منتقلی کا باعث ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اس پورے عمل کی تشریح آسان لفظوں میں کر دی ہے۔ (۳)

اردو حروف تہجی کی تعداد بتا کر انہوں نے اس بحث کا آغاز کیا ہے۔ ان کے مطابق اردو میں اصوات خصوصاً ان اصوات کے لیے متعین حروف کے بارے میں تحقیقی رویوں کا فقدان ہے۔ ' ان علوم پر دنیا کی مختلف زبانوں میں برسوں سے اعلیٰ درجے کی علمی تصانیف شائع ہو رہی ہیں۔ لیکن اردو کے لیے یہ علم ابھی شجر ممنوعہ ہے۔'(۴) ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اردو حروف کی تعداد باون بتائی ہے۔ جس میں تمام سادہ وہائیہ حروف کے علاوہ ایسے چار علامات بھی شامل ہیں۔(۵) اردو حروف کو مختلف ترتیب میں ظاہر کر کے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ

> ایک ہی بنیادی ساخت کی علامت کو ذرا سا ردبدل کر کے ایک مختلف آواز کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جن اشاروں یا علامتوں سے یہ فرق ظاہر کریں انہیں توضیحی علامات کہنا چاہیے۔ مثلاً ب، پ، ت، ٹ، ث میں بنیادی شکل ب ہے، جس میں نقطوں کی تعداد، ان کے محل وقوع اور یا نقطے کی جگہ خفیف ط کے استعمال سے پانچ مختلف آوازوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب کوئی زبان کسی دوسری زبان سے رسم الخط یا تحریر اخذ کرتی ہے۔(۶)

ان حروف کی تاریخ پر نظر کرنے کے علاوہ ان تبدیلیوں پر بھی نظر کی ہے جو ایرانیوں نے اپنی آوازوں کے لیے ان میں کیں۔ اردو کے لیے کی گئے اضافے اور خاص کر ان حروف کا ذکر کرتے ہوئے کہ جو خالص عربی اصوات کے لیے ہیں، ان کا استدلال ہے کہ چونکہ اردو میں عربی کلمات کی کثرت ہے لہذا ان حروف کو قائم رکھا گیا۔ نیز یہ چونکہ قرآن حکیم کا بھی رسم الخط ہے اور 'قرآن کے الفاظ میں کسی قسم کا صوتی یا تحریری فرق خلط مبحث کا باعث ہو سکتا ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا بھی تھا کہ کسی قسم کے کسی تغیر یا تصرف کو قبول نہ کیا جائے۔(۷) قرآنی الفاظ کے ساتھ ساتھ دیگر الفاظ بھی اردو میں داخل ہوئے لہذا قرآنی الفاظ کے معانی کی حفاظت کے لیے ان حروف کو بھی تبدیل نہیں کیا گیا۔ ایسے حروف جو عربی، فارسی اور اردو تینوں میں موجود ہیں یا کسی دو زبانوں میں ہیں، کے

درمیان امتیاز کے لیے ان کو مختلف نام دیے گئے۔ مثلاً ہائے فارسی، تائے ہندی، دال ہندی وغیرہ۔ اردو کے مرکب حروف جنہیں مخلوط بھی کہتے ہیں کے ضمن میں ان کا خیال ہے کہ اردو والوں نے سادہ حرف اور ہائے مخلوطی کے مرکب سے ان کے لیے حروف وضع کیے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مطابق ان حروف کی تعداد سترہ ہیں۔ (۸)

اردو رسم الخط کی جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ عربی اور فارسی کے علاوہ اردو حروف تہجی میں ہند آریائی زبانوں کی آوازیں ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس خط کو لکھنے کے دونوں طریقوں یعنی نسخ اور نستعلیق کے مابین فرق کے علاوہ ہر خط کی خصوصیات نمایاں کی ہیں۔ بنیادی طور پر وہ خط نسخ کے استعمال کے حق میں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ خط طباعت کے علاوہ ٹائپ مشینوں کے لیے بھی بہتر ہے۔ (۹) اب چونکہ ٹائپ رائٹر کا استعمال ختم ہو گیا ہے۔ اور سارا کام کمپیوٹر پر منتقل ہو گیا ہے، لہذا نسخ کی یہ خوبی اب خوبی نہیں رہی۔ ابجد کے فوائد بتاتے ہوئے انہوں نے اس کے مختصر ہو جانے والی صلاحیت کی تعریف کی ہے۔ ان کے مطابق چونکہ اس خط میں حروف شکلیں بدلتے ہیں۔ شروع، درمیانی اور اختتام میں ان کی ہیت تبدیل ہوتی ہے۔ یوں ہر حرف کو بار بار پورا لکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ خوبی زبان سیکھنے کے دوران خامی میں بدل جاتی ہے۔ کیونکہ ہر حرف کی مختلف شکلیں یاد رکھنا اور پہچاننا خاصا مشکل کام ہے۔ البتہ ایک بار روانی حاصل ہو جانے کے بعد یہ خوبی کہلا سکتی ہے۔ اس خط کی دیگر خوبیاں گنواتے ہوئے انہوں نے دوبارہ اسکے قرآنی خط ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسلم دنیا میں سب اس خط سے مانوس ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کی دیگر زبانیں بھی اسی خط میں تحریر ہوتی ہیں۔ یوں ان سب کے درمیان موجود رشتہ مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ یہاں انہوں نے اس نکتے کی نشاندہی بھی کی ہے کہ خط سے زبان نہیں آجاتی لیکن کسی حد تک اس سے ایک انسیت اور فطری رغبت کا احساس ہوتا ہے۔

اردو حروف کی دشواریوں کا بھی ذکر شامل بحث ہے۔ پہلی دشواری ان کے مطابق اس خط کا صوتی نہ ہونا ہے۔ حروف صحیحہ تو کسی حد تک ایک ہی آواز کو ظاہر کرتے ہیں لیکن دقت صرف ان حروف میں ہوتی ہے جو بولنے میں ایک سی یا تقریباً یکساں آوازوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ (۱۰) ایسے حروف کے استعمال میں ان کا خیال ہے کہ اہل زبان بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اور عربی فارسی کی صحت تعلیم کے بعد اس دشواری پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مطابق اس سے بھی بڑی دشواری مصوتوں کو ظاہر کرنے میں پیش آتی ہے۔ اردو میں دس سادہ اور دس انفیائی مصوتوں کے لیے تین حروف، تین علامات اور نون غنہ کی مدد لی جاتی ہے۔ اس دشواری پر قابو پانے کے لیے انہوں نے عربی زبان کے ان علامات کا مطالعہ پیش کیا

ہے جنہیں اردو میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اردو میں چونکہ علامات کے استعمال میں کسی خاص قاعدے کی پابندی نہیں کی جاتی لہذا ان کے استعمال میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ یہ اختلاف جزم اور سکون جیسی علامات میں زیادہ ہے۔

اردو حروف میں ایک حرف یا علامت ہمزہ بھی ہے۔ اردو لسانی ماہرین کے ہاں اس کی حیثیت و استعمال کے مسئلے پر بھی اتفاق نہیں پایا جاتا۔ ماہرین کے ایک بڑے طبقے نے اسے حروف میں شمار کیا ہے۔ جبکہ بیشتر کے مطابق ہمزہ حرف نہیں بلکہ علامت ہے۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی بھی ہمزہ کے علامتی حیثیت کے قائل ہیں۔ انہوں نے عربی میں اس کی حیثیت بیان کرتے ہوئے اردو میں بھی اس طرح کے استعمال کی حمایت کی ہے۔

مولوی عبد الحق کا یہ کہنا درست ہے کہ اسے غلطی سے حروف میں شامل کر لیا گیا ہے، لیکن یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ یہ در حقیقت ی اور واو کے ساتھ وہی کام دیتا ہے جو مد، الف کے ساتھ۔ یعنی جہاں ی کی آواز کھینچ کر نکالنی پڑے اور قریب دوی کے ہو یا جہاں واو کی آواز معمول سے بڑھ کر نکالی جائے، وہاں بطور علامت کے اسے لکھ دیتے ہیں۔ (۱۱)

بعض ایسی علامات جو اردو میں مختلف ادوار میں متعارف ہوئیں۔ لیکن جن کی حیثیت متفق علیہ نہیں، کے بارے میں بھی ڈاکٹر ابو اللیث نے گفتگو کی ہے۔ انفی مصوتوں کو تحریر میں نمایاں کرنے کے لیے پیش کی گئی علامات اور یائے معدولہ کے لیے تجویز کیے گئے خط کے بارے میں انہوں نے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی ہے۔ البتہ املا کے حوالے سے کچھ تسامحات کی نشاندہی کی ہے۔ ایک ایسی ہی غلط روش ہائے مختفی کے استعمال میں پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اس طرز کو غلط قرار دیتے ہوئے اس کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اردو میں چونکہ فارسی دخیل الفاظ کی ایک بڑی تعداد مستعمل ہے۔ بیشتر فارسی کلمات جو الف یا زبر کی آواز پر ختم ہوتے ہیں، تحریر میں کے آخر میں ہائے مختفی لگانے کا رواج ہے۔ فارسی سے یہ چلن اردو میں رواج پذیر ہوا اور ایسے ہندوستانی کلمات جو الف یا زبر کی آواز پر ختم ہوتے ہیں، تحریر میں فارسی کے تتبع میں لکھا جانے لگا۔ ڈاکٹر صدیقی کے مطابق ' بعض لوگ اردو میں فارسی کی تقلید میں ہندی الفاظ کے آخر میں بھی یہ ہائے لکھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ (۱۲)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب 'اردو زبان و ادب' میں اردو رسم الخط کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں اردو زبان کے حوالے سے مضامین شامل ہیں۔ کتاب کا ساتواں اور آٹھواں باب رسم الخط، اردو رسم الخط، اردو اور انگریزی کے خط کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہیں۔ انہوں نے رسم

الخط کے ضمن میں عمومی بحث کی ہے۔ نیز ان کا انداز علمی و تحقیقی سے زیادہ تاریخی و جذباتی نوعیت کا ہے۔ زبان اور رسم الخط کے تعلق پر وہ رقم طراز ہیں۔

> زبان اور رسم الخط دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ ان میں جسم اور روح کا تعلق ہے، اور ایک دوسرے سے جدا ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے۔۔۔ رسم الخط زبان کا لباس نہیں بلکہ اس کی جلد کی حیثیت رکھتا ہے۔ (۱۳)

اس بیان سے رسم الخط کے بارے میں ان کے نظرئے کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے رسم الخط کوئی آسمانی شے ہے جو اکمل ترین صورت میں زبان کے لیے نازل ہوا ہے۔ لہذا اب اس میں کسی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ رسم الخط زبان کے تحریری اظہار کے لیے مقررہ نشانات یا علامات کا مجموعہ ہے، جو اس زبان کے بولنے والے یا تو خود تخلیق کرتے ہیں یا کسی دوسری زبان سے مستعار لے لیتے ہیں۔ یوں اس میں نہ صرف بہتری کی گنجائش موجود ہوتی ہے بلکہ اگر کسی دوسرے خط میں اگر اس کے زیادہ امکانات ہوں تو اسے اپنا لیا جاتا ہے۔ دنیا کی کئی اقوام کی مثالیں اس سلسلے میں ہمارے سامنے موجود ہیں، جنہوں نے اپنی زبان کا خط بہتر کیا اور بعض نے بالکل دوسرا خط اختیار کیا۔ دوسرا خط اپنانے میں البتہ ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ پرانے خط میں محفوظ علمی و ادبی سرمایہ ضائع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ رسم الخط کے سلسلے میں کی جانے والی تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ اور اگر خط میں موجود مسائل کو دور کیا جائے تو اس کا فائدہ زبان کو ہی پہنچے گا۔ اس کی ترسیل میں روانی آئے گی اور ابلاغ میں اضافہ ہو گا۔

اس تقابل میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی جانب سے متعدد بار اس نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ چونکہ اردو ایک مخلوط زبان ہے اور اس میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان الفاظ کا املا برقرار رکھا جائے۔ یہاں وہ یہ بتانا بھول گئے کہ ترکی زبان کا اپنا خط بدل چکا ہے اور اب وہ لوگ رومن اختیار کر چکے ہیں۔ اگر وہ عربی اور فارسی الفاظ کے ضمن میں یہ استدلال بیان کرتے ہیں تو یہی رویہ اردو میں شامل دیگر زبانوں کے الفاظ کے ساتھ بھی رکھنا چاہیے۔ یہاں اردو میں شامل سنسکرت و دیگر ہندوستانی زبانوں کے الفاظ کا کیا جائے؟ کیا انہیں بھی اسی طرح لکھا جائے جس طرح وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں؟ گزشتہ پچاس سالوں سے انگریزی الفاظ کی بڑی تعداد اردو میں شامل ہوئی ہے۔ اس ضمن میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مضامین میں موجود نہیں۔ اگر اردو میں مستعمل عربی و فارسی الفاظ کے معنی میں

تبدیلی آئی ہے تو ٹھیک ہے کہ اب وہ اردو کا لفظ ہے لیکن املا میں ردوبدل گوارا نہیں۔ اور اگر لفظ کسی دوسری زبان کا ہے تو پھر املا میں بھی تبدیلی ممکن ہے۔

اس بحث میں انہوں نے اردو کے خط کے علاوہ ناگری اور رومن خط کا بھی تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ جس سے ان رسم الخط کی خوبیاں اور خامیاں سامنے آگئی ہیں۔ البتہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی جانب سے اکثر موقعوں پر اردو رسم الخط کے لیے تعریفی کلمات ان کے اس تقابلی مطالعے کی حیثیت پر سوالیہ نشان ڈال دیتے ہیں۔ انہوں نے یہاں اردو کے خط پر کیے جانے والے بعض اعتراضات کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اردو حروف کی تعداد، ان حروف کی بدلتی شکلیں، ہم صوت حروف کی موجودگی، اعراب کی دشواریوں اور ٹائپ اور طباعت کی مشکلوں کے علاوہ دیگر اعتراضات کا تفصیلی جواب مثالوں کے ذریعے دینے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں بھی وہ اردو رسم الخط کا تقابل ناگری اور رومن سے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سہیل بخاری کا شمار اردو کے جدید ماہرین لسانیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے جہاں روایتی اردو قواعد اور اس کے آغاز وارتقاء کے مباحث میں حصہ لیا وہاں اردو لسانیات کی نئی تحقیقات میں بھی شامل ہوئے۔ اردو زبان کی صوتیات، فونیمیات پر ان کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ اردو رسم الخط کے ضمن میں بھی ان کی ایک مستقل کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کے علاوہ بھی اس موضوع پر ان کے مضامین مختلف رسائل و کتب کی زینت بنتے رہے۔ مذکورہ کتاب کے ابتدائی ابواب رسم الخط کی تعریف، تاریخ اور دیگر عمومی مباحث پر مشتمل ہیں۔ تیسرے باب سے اردو خط کا مختلف زاویوں سے جائزہ لینے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پہلے باب میں رسم الخط کی غایت اور ایک مناسب خط کی خوبیاں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

رسم الخط کی ایجاد زبان کی آوازیں قلمبند کرنے کے لیے عمل میں آئی تھی۔ اس کی بنیادی غایت آج بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس زبان کی تمام آوازوں کو جس کے لیے وہ ایجاد ہوئی تھی، اتنی صحت، صفائی اور سہولت سے محفوظ کرلے کہ پڑھنے والے کی زبان سے وہ آوازیں بالکل اسی طرح ادا ہونے لگیں جس طرح بولنے والے کی زبان سے نکلی تھیں۔ اس کی اسی صلاحیت کو اس کی خوبی قرار دے سکتے ہیں اور اس میں یہ صلاحیت صرف اسی وقت آسکتی ہے جب زبان کی ہر آواز کے لیے ایک جداگانہ حرف یا علامت مقرر ہو اور اس کے ہر حرف یا علامت سے صرف ایک ہی آواز نکلتی ہو۔ اس خوبی کو جانچنے کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اس کے بول ارکان میں بٹے

ہوئے اس طرح دکھائی دیں کہ انہیں پڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے جیسے اردو رسم الخط کے الفاظ 'چل کر، ہاتھی، چیرنا' وغیرہ۔(۱۴)

دوسرے باب میں مختلف رسم الخط کے حروف اور علامات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اردو کے حروف چونکہ بنیادی طور پر عربی سے آئے ہیں۔ لہذا اس ضمن میں عربی حروف کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر نظر کی گئی ہے۔ ہندوستان میں اردو کے لیے منتخب ہونے کے بعد اس خط میں ہونے والے اضافوں کا ذکر کرتے ہوئے اردو کی مخصوص آوازوں کے لیے وضع کیے گئے حروف کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں انہوں نے تجویز پیش کی ہے کہ کیونکہ دیوناگری کے برعکس ہر عربی حرف کا ایک نام بھی ہوتا ہے اور اردو میں بھی عربی کی تقلید میں حروف کو نام دیے گئے ہیں۔ لہذا نئے وضع کیے گئے حروف کو بھی نام دینا چاہیے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس سلسلے میں نئے حروف کے ناموں کی ایک فہرست بھی پیش کی ہے۔

ایک باب الف اور ہمزہ کی بحث پر مبنی ہے۔ اول الذکر کا تو عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے جبکہ ثانی الذکر کی بحث تفصیلی ہے۔ الف پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو کے اس پہلے حرف کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ الف اردو میں سُر اور اسُر دونوں آوازوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یعنی جب یہ الف کسی لفظ کے شروع میں آئے تب یہ اسُر آواز ادا کرتا ہے اور جب کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے تب سُر ہوتا ہے۔ (۱۵) الف کی اس بحث میں انہوں نے اردو صوتیات کے ایک 'گھپلے' کا ذکر کیا ہے جب ہجوں میں آخری الف کو سُر مانتے ہوئے بھی اسُر گردانتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا خیال ہے کہ الف اگر کسی کلمے کے آخر میں آئے تو اس کی اپنی حیثیت مصوتے کی ہو جاتی ہے اور اس کو کسی دوسرے مصوتے کی ضرورت نہیں ہوتی۔(۱۶) الف کی انفرادی خصوصیات بتاتے ہوئے عربی اور اردو میں الف کے استعمال میں موجود اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے۔

حروف میں ہمزہ کی حیثیت واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری نے رائے دی ہے کہ 'یہ اردو کا ایک چھوٹا سا حرف ہے جو حروف تہجی میں ی سے پہلے آتا ہے۔(۱۷) اردو علمائے لسان کے مابین ہمزہ کے ضمن میں ایک رائے نہیں پائی جاتی۔ بیشتر ماہرین ہمزہ کو حرف شمار نہیں کرتے۔ سطور بالا میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور دیگر کا اس بارے میں نقطہ نظر سامنے آچکا ہے۔ ڈاکٹر بخاری نے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے ان آراء سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ ہمزے کی حیثیت کے بارے میں تین قسم کی رائیں پائی جاتی ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں۔

کچھ لوگ اسے حرف مانتے ہیں اور کچھ غالباً اس کی چھوٹی جسامت ء کے باعث اسے حرف ماننے ہی سے انکاری ہیں اور صرف علامت کا درجہ دیتے ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ کہیں یہ حروف ہوتا ہے اور کہیں علامت بن جاتا ہے۔ مغرب کے ماہرین لسانیات اسے اُسر ماننے ہی سے انکاری ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ اردو کا ایک اہم حرف ہے اور ایک نہایت ہی اہم آواز کا نمائندہ ہے اور کہیں بھی علامت نہیں بنتا۔[۱۸]

بقایا مضمون ہمزہ کو حرف ثابت کرنے کی مساعی پر مشتمل ہے۔ بحث کی ابتداء انہوں نے زبان کی بنیادی آوازوں کی تشریح سے کی ہے۔ ان کے مطابق زبان میں دو قسم کی بنیادی آوازیں یعنی سُر اور اُسر ہوتی ہیں۔ اُسروں کی تعریف بیان کرتے ہوئے انہوں نے ہمزہ کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔ 'یہاں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ ب، پ وغیرہ کی طرح ہمزہ بھی ایک اُسر (صوت صحیح) ہے اور اپنی ایک مخصوص آواز رکھتا ہے جسے بے رنگ کہہ سکتے ہیں۔[۱۹] دوسرے اُسر ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق رنگین ہیں۔ البتہ انہوں نے اس کی تفصیل فراہم نہیں کی کہ کیسے ہمزہ بے رنگ اور دوسرے اُسر رنگین ہیں۔ مخرج کے اعتبار سے وہ اس آواز کو کنٹھی شمار کرتے ہیں، کیونکہ یہ کنٹھ سے نکلتی ہے۔

اَب اور آب میں موجود فرق کے ذریعے ہمزہ کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں کلمات میں الف کی جگہ ہمزہ بھی استعمال کرسکتے ہیں کہ اس سے آواز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور ویسے بھی الف اور ہمزہ باہم متبادل ہیں۔ 'ہمزہ کے اُسر ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کی جگہ دوسرے اُسر بھی بولے جاسکتے ہیں۔[۲۰] ایسے کلمات بھی مثال کے طور پر یہاں درج ہیں جن میں ہمزہ کو دیگر مصمتوں کی جگہ رکھ کر ان کا ہجا بتایا گیا ہے۔ اس فہرست میں اردو کے مقامی کلمات کی تعداد زیادہ ہے۔ اردو میں ان کلمات کو دوسرے طریقے سے لکھتے ہیں لہٰذا یہاں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مطابق مصمتوں کی بصری اہمیت کے حوالے سے بیان کیے گئے دلائل سامنے آتے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صدیقی اور بعض دیگر ماہرین لسان کلمات کے بصری اوصاف کی اہمیت کے قائل ہیں اور اردو میں دخیل ہم صوت مصمتوں کو ان کے اصل اور الگ حروف سے لکھنے کے حق میں ہیں۔ لہٰذا اگر یہاں اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں تو پھر ہمزہ کا شمار بھی ہم صوت مصمتوں میں ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر اسے منفرد مصمتہ تصور کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل بخاری کے بتائے طریقے کے مطابق کلمات میں الف کی جگہ لکھنا شروع کردیں تو اولاً اس طریقے کو رائج کرنے میں وقت لگے گا، ثانیاً اس سے ایسے کلمات کی بصری خوبی ختم ہوجائے گی۔

ہمزہ کی اس بحث میں انہوں نے اس آواز کو اسُر ثابت کرنے کے لیے مختلف کلموں میں اس کی موجودگی ثابت کرتے ہوئے اس کو تحریر میں بھی ظاہر کرنے کی بات کی ہے۔ بیشتر آوازوں میں الف اور اعراب کی مدد سے ہمزہ کو ظاہر کیا جاتا ہے جو کہ ایک غلط روش ہے۔ واو اور ہمزہ کے تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے قدیم اردو سے ایسے کلمات پیش کیے ہیں جن کے املا کا طریقہ اب بدل چکا ہے۔' اردو کے ابتدائی واو ہمیشہ ہمزہ مضموم ہوتا ہے اور آخری واو صرف اس وقت ہمزہ کا بدل ہوتا ہے جب اس سے پہلے الف آیا ہو،[۲۱] ہمزہ اور ی کے مابین بھی کچھ ایسا ہی تعلق ہے۔ مثلاً لفظ کی آخری ی بھی ہمزہ کا بدل ہوتی ہے لیکن صرف اس وقت جب کہ واو کی طرح اس سے پہلے بھی الف آجائے۔ یہاں انہوں نے ایک اصول بھی وضع کیا ہے کہ جس کے مطابق اردو میں واو اگر لفظ کے شروع میں آئے تو ہمیشہ مضموم اور ی مکسورہ کا بدل ہیں۔ جبکہ اگر یہی صورت لفظ کے آخر میں پیش آئے تو پھر یہ ہمزہ کا بدل ہیں۔ اردو کی آوازوں کو ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنی اسی بدلاؤ والی خاصیت کے تحت دو زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہر زمرے میں شامل آوازیں مختلف الفاظ میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتی ہیں۔ ہمزہ بھی اسی اصول کے تحت اپنے زمرے میں شامل دوسری آوازوں کے مقابل استعمال ہو سکتا ہے۔ چونکہ اردو میں ان کلمات کا طریقہ معین ہو چکا ہے لہٰذا ڈاکٹر سہیل بخاری کے بیان کردہ طریقوں کو بمشکل پذیرائی مل سکے گی۔ نیز ماہرین لسان کی ایک بڑی تعداد ان کے اس اصول سے اختلاف بھی رکھتی ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے مضمون کے آخر میں ہمزہ کی تیرہ خصوصیات بیان کی ہیں، جن میں چند اہم یہ ہیں۔

یہ سُر نہیں اسُر ہے اور سُروں کے مدار کا کام دیتا ہے۔ مخرج کے اعتبار سے کنٹھی اسُر ہے۔ سانس کی مقدار یعنی حجم کے اعتبار سے الپ پران (ہلکی آواز) ہے۔ ب، پ جیسے دوسرے تمام سُروں کے مقابلے میں اسے بے رنگ کہتے ہیں۔ [۲۲]

عربی زبان میں تین قسم کی 'ہ' ہیں جو ان کے مطابق اردو میں بھی مستعمل ہیں۔ اردو میں انہیں ہائے دو چشمی (ھ)، چھوٹی (ہ) اور بڑی (ح) ہے کے نام دیے گئے ہیں۔ بڑی ہے (ح) صرف عربی الفاظ میں جبکہ دو چشمی اور چھوٹی ہے اردو کلمات میں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق ثانی الذکر کے استعمال میں اردو والوں کے ہاں اتفاق نہیں۔ یہاں کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں ان کی املا یکساں نہیں۔ ایک ہی کلمے کو کئی طرح سے لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر بخاری کا خیال ہے' اردو الفاظ کی کتابت میں ہائے مختفی کا کوئی کوئی جواز نہیں۔ ہمارے الفاظ رستہ، بھروسہ، کلکتہ، روپیہ اور نہ کی اصل رستا، بھروسا، کلکتا، روپیا اور نا (ں) ہے۔ [۲۳]

اردو املا کے ضمن میں پائے جانے والے اختلافی امور دور کرنے کے لیے پاکستان میں 'مقتدرہ قومی زبان' نے ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ اسی نوع کا کام بھارت میں بھی ہوا تھا۔ ان کمیٹیوں کی سفارشات اب کتابی صورت میں موجود ہیں۔ بھارت میں یہ منصوبہ 'ترقی اردو بورڈ' ہند کی زیر نگرانی مکمل ہوا۔ ' ہائے مختفی' کے استعمال پر بھی ان کمیٹیوں نے اپنی آراء پیش کی ہیں۔ چند نکات کے علاوہ دونوں کے ہاں ایک ہی طرح کی سفارش ملتی ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'الف' کی آواز ہے، انہیں ترقی اردو بورڈ کی سفارش کے مطابق 'ہ' سے مروج الفاظ کو 'ہ' ہی سے اور باقی الفاظ کو 'الف' سے لکھا جائے۔ ۲۴ رکنی پاکستانی کمیٹی نے دونوں طریقوں کو درست قرار دیا ہے۔ یعنی ایسے الفاظ 'ہ' اور 'الف' دونوں کے ساتھ لکھ سکتے ہیں۔ (۲۴)

حروف میم اور نون کے املا میں بھی ڈاکٹر بخاری نے کئی سوال اٹھائے ہیں۔ چونکہ یہ مصمتے انفیائی خصوصیات بھی رکھتے ہیں، لہٰذا دیگر زبانوں میں ان کا املا زیر بحث ہے۔ اردو میں چونکہ دخیل الفاظ کی ایک بڑی تعداد بھی ہے اور اس لیے ان حروف کے بہتر املا کے لیے چند تجاویز بھی دی ہیں۔ ان کے املا کے جو قاعدے مقرر کیے گئے ہیں وہ عربی اور دیگر زبانوں سے مختلف ہیں۔ اردو میں ان کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔ بطور مثال ایسے دخیل الفاظ کی فہرستیں دی گئی ہیں جن میں 'م' لفظ کے شروع، درمیان اور آخر میں آنے کی صورت میں مروج و صحیح املا کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ بیشتر الفاظ کا قدیم املا دیا گیا ہے جو کہ اب متروک ہے۔ اسی طرح اردو میں 'ن' کی تین قسمیں بولی جاتی ہیں۔ البتہ لکھنے کے صرف دو طریقے 'ن' اور 'ں' ہیں۔ 'حلقی نون کے لیے الگ سے ہمارے حروف ہجا میں کوئی حرف مقرر نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ماہرین صوتیات اپنی زبان میں ابھی تک اس کی شناخت نہیں کر پائے ہیں۔ (۲۶)

اردو میں مختصر مصوتے تین ہیں اور ان کے لیے علامات بھی مختص ہیں۔ دیگر سادہ، طویل و انفی مصوتوں کو ظاہر کرنے کے لیے ایسی کوئی علامت مقرر نہیں۔ ڈاکٹر بخاری کے مطابق یہ اردو خط کی ایک بڑی خامی ہے۔ دنیا کے دوسرے خطوں (دیوناگری، رومن وغیرہ) میں حروف علت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ حروف صحیحہ کو آواز ادا کرنے میں سہارا دیتے ہیں اور اردو زبان کے حروف علت اپنا تعارف کرانے، اپنی اصلیت ظاہر کرنے اور اپنی اصل آواز کے لیے اعراب یا علامات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کی وجہ عربی میں ان حروف کی دہری حیثیت ہے۔ یعنی 'الف کی طرح واو اور ی بھی کہیں سر کی اور کہیں اسر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ (۲۷) اس مسئلے کو دور کرنے کے لیے ڈاکٹر سہیل بخاری نے ان مصوتوں کے لیے کچھ علامات تجویز کی ہیں۔ یہ امر قابل تعریف ہے لیکن دیگر

ماہرین لسان کا اس بارے میں یک زبان ہونا اور اردو تحریر میں ان کو رواج دینا دراصل ایک مشکل مرحلہ ہے۔ حروف کے املا کے ضمن میں یہاں اس نکتے کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مروجہ املا کی تبدیلی ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے اور اس سے کئی مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ اسی لیے پاکستان وبھارت کی سفارشات املا کمیٹوں نے بیشتر موقعوں پر الفاظ کے مروجہ املا کو برقرار رکھا ہے۔ ڈاکٹر بخاری کے مطابق اردو کے علاوہ دیوناگری خط میں بھی ان مصوتوں کو ظاہر کرنے کے لیے دو علامات مقرر ہیں۔ اس کی وجہ ان کے مطابق یہ ہے کہ آریاؤں کے ساتھ یہ قدیم ایرانی کا یہ طریقہ ہندوستان پہنچا۔ البتہ عربی کے حوالے سے وہ خاموش ہیں، حالانکہ ابتداء میں خود انہوں نے عربی زبان اور خط کی مثال بھی پیش کی تھی۔

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اسی باب میں 'واو' اور 'ی' کی تحریری صورتوں پر اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ واو کی تین قسمیں عربی زبان میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک واو معدولہ ہے جو صرف تحریر میں استعمال آتا ہے، تلفظ میں ادا نہیں ہوتا۔ اردو میں ایسی کوئی آواز موجود نہیں ہے۔ اس سے انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ اردو کا حرف نہیں ہے۔[۲۸] اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے قدیم ویدک سنسکرت سے لے کر جدید ہند آریائی زبانوں تک میں اس کا استعمال دیکھا ہے۔ اس تقابل کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

واو اردو کی بنیادی آواز نہیں ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا مثالوں سے واضح کیا جاچکا ہے۔ البتہ یہاں اکا دکا ایسی مثالوں کی تشریح ضروری ہے جہاں بظاہر 'و' اور 'ب' کا تبادل نظر آتا ہے۔ یہ لفظ کا آخری مکتوبی واو ہے جو دراصل ہمزہ کی جگہ لکھا جاتا ہے۔ مثلاً تلاو اور تلاب (تالاب) میں 'و' اور 'ب' متبادل نظر آتے ہیں، لیکن تلاو کی اصل تلار یعنی ٹ ل ر ہے۔ اس لیے یہ دراصل 'و' اور 'ب' کے بجائے ہمزہ اور ب کا متبادل ہے۔ اس پوری بحث اور مندرجہ بالا مثالوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ 'واو' اردو کی آواز نہیں ہے اور 'واو' کا حرف عربی رسم الخط کے ساتھ ساتھ ہمارے یہاں درآمد ہوا ہے۔[۲۹]

اردو میں دو طرح کی 'ی' رائج ہیں۔ یہ حروف بھی بنیادی طور پر عربی زبان کے ہیں۔ یائے معروف کو اردو میں چھوٹی یے اور مجہول کو بڑی یے کہتے ہیں۔ ڈاکٹر بخاری کے مطابق اردو میں ان کے علاوہ ایک 'یے' ایسی بھی ہے جو عربی زبان میں نہیں ملتی، لیکن 'میرا'، 'تیرا' میں سنائی دیتی ہے اور بڑی یے (ے) ہی سے لکھی پڑھی جاتی ہے۔[۳۰] اردو میں 'یے' کا استعمال جن صورتوں میں رائج ہے، ڈاکٹر سہیل بخاری نے ان پر نظر کی ہے۔ اس مطالعے کے دوران انہوں نے دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی اس جیسے سُر اور اس کے لیے مختص حروف کا جائزہ لیا ہے۔ کئی

موقعوں پر انہوں نے تجاویز بھی پیش کرتے ہوئے نتائج بھی اخذ کیے ہیں۔ دوسری جانب اردو املا کمیٹیوں نے اپنی سفارشات میں 'یے' کے رائج املا کو درست قرار دیا ہے۔ پاکستانی اور بھارتی کمیٹیاں اس کے استعمال کی شقوں پر متفق نظر آتی ہیں۔

مہاپران یعنی ہائیہ اصوات کو یہ نام قدیم سنسکرت کے لسانی ماہرین نے دیا تھا۔ ان گرامیرین نے آوازوں کو مخارج کے اعتبار سے دو زمرے بنائے تھے۔ بھاری آوازوں کے مقابلے میں ہلکی اصوات کو الب پران کا نام دیا گیا۔ ان آوازوں کی بنیاد پر ہی سنسکرت کے حروف وضع کیے گئے اور ہر درجے میں مہاپران اور الب پران کے جوڑے رکھے گئے۔ مخارج اور حجم کے اعتبار سے دیوناگری رسم الخط کے ہجائی نظام میں حروف جس ترتیب سے سجائے گئے ہیں اس کے باعث مستشرقین نے بھی اس کو بہت سراہا ہے۔[۳۱] ڈاکٹر سہیل بخاری نے قدیم ہند آریائی زبانوں کی اصوات کا تقابل کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان میں سے سنسکرت ہی وہ زبان ہے جس میں مہاپران اصوات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہاں انہوں نے مستشرقین کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے جس میں مستشرقین نے ہند آریائی زبانوں کی دوسری شاخوں سے ان مہاپران کے خاتمے کو ایک اتفاق قرار دیا تھا۔ انہوں نے اس ضمن میں بعض مستشرقین کے حوالے بھی پیش کرتے ہوئے اس مفروضے کو رد کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بخاری کا اپنا نقطہ نظر یہ ہے کہ دراصل ویدک میں مہاپرانوں کی ایک بڑی تعداد مقامی اثرات کے تحت پراکرتوں سے داخل ہوئی ہے۔ دیوناگری خط کی جامعیت کے حوالے سے بھی وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ باوجود خوبیوں کے اس میں پراکرتوں کی تمام آوازوں کے لیے حروف مقرر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس خط میں مہاپرانوں کے لیے صرف دس حروف ہیں جبکہ پراکرتوں میں ان کی تعداد پندرہ تھی۔[۳۲]

رسم الخط کی تعریفوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر اردو خط کا جائزہ لیا جائے تو خوبیوں کے ساتھ اس میں بعض کمزور پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ خط عربی زبان کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ عربی اور اردو کا صوتی نظام مختلف ہے۔ یہ دو الگ خاندانوں کی زبانیں ہیں۔ باوجود اس کے کہ اردو والوں نے اپنی مخصوص آوازوں کے لیے اس خط میں ترامیم و اضافے کیے، بعض پہلو اب بھی قابل اصلاح ہیں۔ اردو رسم الخط کے بارے میں عمومی بحث آٹھویں باب میں کی گئی ہے۔ اس بحث میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو خط کی خامیوں پر نظر کرتے ہوئے انہیں دور کرنے کے لیے تجاویز دی ہیں۔ 'یہ رسم الخط اردو کی تمام ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ اس کی خامیاں ہی اردو املا کے مسائل بن گئی ہیں۔[۳۳]

اردو خط کے کمزور پہلوؤں کا ذکر اس کے انفی آوازوں کی علامات سے شروع ہوتا ہے۔ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق اردو کی تین انفی اصوات کو ظاہر کرنے کے لیے دو علامات ہیں۔ 'دندانی نون اور نون غنہ سے سب واقف ہیں لیکن حلقی نون سے ایک عام بے خبری پائی جاتی ہے، کیونکہ نہ یہ آواز عربی زبان میں ملتی ہے نہ اس کے لیے عربی رسم الخط میں الگ سے کوئی حرف مقرر ہے۔(۳۴) آگے چل کر ان اصوات کے لیے معینہ حروف کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حلقی نون کو بھی دیگر حروف کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا صحیح تلفظ ممکن نہیں رہتا۔ صورتحال اس وقت مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے جب حروف ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں۔ بعض ایسے کلمات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں تلفظ کے ضمن میں وضاحت نہیں ملتی۔ اردو کی اصوات اور ان کے املا کے مختلف پہلوؤں پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بیشتر قواعد نویس اردو میں نون اور نون غنہ کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ حلقی نون کا تذکرہ اکا دکا مقامات پر ہی دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے سفارشات املا کمیٹی نے بھی اس حوالے سے کسی قسم کی سفارش تجویز نہیں کی ہے۔

اردو میں بہت عرصے تک ہائے ہوز اور ہائے دو چشمی کے املا میں بھی اختلاف رہا۔ یہ مسئلہ اب کافی حد تک ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان اور بھارت کی سفارشات املا کمیٹیوں میں بھی اس حوالے سے ایک ہی قسم کی رائے ملتی ہے۔ چونکہ ہائے دو چشمی مقامی مہاپران اصوات کے لیے مخصوص ہے لہٰذا ان کو ہائے ہوز کی جگہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ بالکل ایسے ہی دوسری صورت بھی ناقابل قبول ہے۔ البتہ کلمات کی ایک غالب تعداد ایسی بھی ہے جو اصلاً مقامی ہے اور بعض موقعوں پر تو ان میں مقامی مہاپران اصوات بھی پائی جاتی ہیں، اور ہائے دو چشمی سے انہیں ظاہر بھی کیا جاتا ہے، باوجود اس کے ان کے آخری مصوتے کو ہائے مختفی سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق یہ روش ہائے دو چشمی اور ہائے ہوز کے مابین موجود فرق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ نیز اب وہ اسے اردو لغت کے لیے ناروا بوجھ سمجھتے ہیں۔(۳۵)

مختصر مصوتوں کو تحریر میں ظاہر کرنے کے لیے دیوناگری کے برعکس اردو خط میں کوئی مفرد حرف نہیں۔ البتہ تین علامات ہیں، جنہیں اعراب کہتے ہیں۔ کیونکہ اکثر تحریروں میں ان کا استعمال کم کیا جاتا ہے اس لیے الفاظ کا ہجہ واضح نہیں ہو پاتا۔ اردو میں چونکہ ہم صوت الفاظ کی بھی ایک کثیر تعداد مروج ہے، اس لیے یہ صورتحال اس وقت زیادہ سنگین ہو جاتی ہے جب فقط ایک ہی کلمہ لکھا گیا ہو۔ اردو خط کی یہ خامی اس کے ابلاغ کی راہ میں بھی ایک بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ خصوصاً اردو سیکھنے والوں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہوتی ہے۔ اعراب کے بغیر عبارت

پڑھنے میں غلطی ہوتی رہتی ہے چنانچہ ایک لفظ بس کو بَس (فقط)، بِس (زیر) اور بُس (بُسنا، سڑنا) تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے جس سے مفہوم میں خلل پڑ جاتا ہے۔[۳۶]

دیوناگری خط کے تمام حروف متحرک ہوتے ہیں۔ ان حروف پر کوئی نہ کوئی ایسی علامت موجود ہوتی ہے جس سے اس کی حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی علامت نہ ہو تو اس پر زبر کی حرکت فرض کر لی جاتی ہے۔ یہ مصمتے اس وقت ساکن ہوتے ہیں جب اس کو کسی دوسرے مصمتے میں جوڑ دیا جائے۔ اردو میں بھی دیگر ہمسائیہ زبانوں کی طرح کلمے کا پہلا حرف متحرک اور آخری ساکن ہوتا ہے۔ اردو میں غیر موصل حروف (ا، د، ڈ، ر وغیرہ) کے علاوہ باقی تمام حروف موصل ہیں۔ یہ اپنے بعد میں آنے والے حرف سے جڑ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کے مطابق یہ اردو خط کی ایک کمزوری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> اردو میں حروف کی ملاوٹ پر نہ سکون و حرکت کا انحصار ہوتا ہے نہ رکن کا خاتمہ ہی مقصود ہوتا ہے بلکہ حروف توڑ توڑ کر اور ان کے ٹکڑے ملا ملا کر لکھنے کی ریت کچھ اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ رکن تو رکن لفظ کے لفظ ملا کر بھی لکھتے چلے جاتے ہیں اور پھر پڑھنے والا ڈھونڈتا رہ جاتا ہے کہ اس زنجیر میں کتنے لفظ پرو دیے گئے ہیں اور کون سا لفظ کہاں سے شروع اور کہاں پہنچ کر ختم ہوتا ہے۔ اس سے اردو میں کچھ کھیل بھی بن گئے ہیں جو اردو رسم الخط کی خامیاں بخوبی واضح کرتے ہیں۔ جیسے کیلے کے پتے (کیلے کے پتے) اور بینگنکے چھلکے (بینگن کے چھلکے) وغیرہ۔[۳۷]

اردو خط میں سادہ و طویل سروں کے لیے موجود علامات اوراملا کے رائج طریقوں پر ڈاکٹر بخاری نے تفصیلی بحث کی ہے۔ ان میں بعض نکات کی جانب دیگر ماہرین بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ قابل لحاظ تعداد ایسے نکات کی ہے جن پر مزید بحث اور گفتگو کی گنجائش موجود ہے۔ ڈاکٹر سہیل نے بھی کچھ اصطلاحات تجویز کی ہیں۔ اہم اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ کیسے اردو والوں کو ان امور پر متفق کیا جائے اور پھر اس ملا کو رواج دینے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔

رسم الخط اور تلفظ کا آپس میں گہرا تعلق رہتا ہے۔ تلفظ ایک معاشرے کا مشترکہ سرمایہ ہوتا ہے جو سالوں کے استعمال کے بعد اس کا اختصاص بن جاتا ہے۔ اگر زبان کا رسم الخط، تلفظ کے لوازمات کو برت سکتا ہے تو اس کا شمار اچھے اور ترقی یافتہ خطوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو زبان کے تلفظ اور خط کے اس تعلق

کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق تلفظ کے بگڑنے کی دو وجوہات میں پہلی وجہ آواز ہے۔ یعنی جب کوئی زبان میں کوئی نیا لفظ داخل ہوتا ہے تب اہل زبان اس کی اصل اصوات سے ملتی جلتی آوازوں کی مدد سے اس لفظ کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں اس لفظ کے تلفظ میں تبدیلی آجاتی ہے۔ انہوں نے آریائی و غیر آریائی زبانوں کے الفاظ کی مثالیں پیش کی ہیں جن کا تلفظ الفاظ کے اس سفر میں بدل گیا۔ اس بگاڑ کی دوسری وجہ ان کے مطابق رسم الخط ہے۔ چونکہ اکثر موقعوں پر آوازیں تو موجود ہوتی ہیں لیکن رسم الخط بدل جاتا ہے تو رسم الخط کی اس تبدیلی سے الفاظ کا تلفظ بگڑ جاتا ہے۔ ان کی بحث کا بنیادی اور غالب موضوع رسم الخط اور تلفظ کی تبدیلی پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی زبانوں کے الفاظ اور رسم الخط کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ' رسم الخط اور تلفظ یا حرف اور آواز کا نازک تعلق ایک علاقے اور ایک دور سے مخصوص اور مختص ہوتا ہے اور جب علاقہ اور دور بدلتا ہے تو یہ تعلق بھی کمزور پڑ جاتا ہے اور رسم الخط تلفظ کو بگاڑ دینے کا ایک آلہ بن کر رہ جاتا ہے۔ (۳۸) بنیادی طور پر رسم الخط قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ تلفظ کے سند کے لیے مکمل طور پر اس پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ تلفظ کے بگاڑ میں رسم الخط کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔

عام طور پر کسی زبان کے رسم الخط میں مختلف آوازوں کو ایک ہی حرف سے ظاہر سے کیا جاتا ہے۔ انگریزی کے رومن خط کی مثال یہاں پیش کی جاسکتی ہے۔ قدیم ہندیورپی میں بھی ایسے حروف پائے جاتے تھے جو مختلف آوازوں کو ظاہر کرتے تھے۔ ہندوستان میں پراکرتوں کی بعض نئی آوازوں کے لیے اپنی زبان کے ملتے جلتے حروف چنے۔ اس طرح بعض اوقات ایک آواز کے لیے کئی حروف مقرر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بھی تلفظ میں تبدیلی آجاتی ہے۔ تلفظ کی تبدیلی کی ایک وجہ دوسری زبان یا مقام کی تبدیلی بھی ہے۔ اس دوران حرف اپنی ایک زبان یا مقام سے منتقل ہو کر اپنی آواز بدل لیتا ہے۔

آوازوں اور حروف کے تعلق کی بحث کا حجم گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اس کی حدود کا تعین کر کے ایک خاص دائرے تک بھی محدود رہا جاسکتا ہے یا پھر اس بحث کو لسانیات کے دیگر شعبہ جات جیسے اسلوبیات، اطلاقی لسانیات، ترجمہ کاری تک پھیلایا جاسکتا ہے۔ لسانیات کے حوالے سے جدید سائنسی ایجادات اطلاقی لسانیات کے دائرے کار میں آتی ہیں۔ جدید پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے زبانوں اور ان کے تحریری سرمائے کو محفوظ بنانے میں ایک انقلابی کردار ادا کیا۔ اس سے جہاں زبانوں کے سرمائے کی حفاظت کا بندوبست ہوا وہاں اس کام میں اٹھنے والے اخراجات اور وقت میں بھی نمایاں کمی ہوئی اور زبانوں کے ابلاغ میں تیزی آئی۔ ٹائپ رائٹر اور اس پھر اب کمپیوٹر نے اس عمل

کو ڈیجیٹل دور میں داخل کر دیا ہے۔ ابتداء میں ٹائپ رائٹر کا تختہ کلید اردو کے لیے دستیاب نہیں تھا۔ پھر اس کی تیاری اور ترتیب نے اردو کا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ رومن خط کے برعکس اردو خط میں چونکہ حروف ایک دوسرے سے جڑ کر لفظ تخلیق کرتے ہیں۔ اس سے تحریر مختصر ہو جاتی ہے البتہ حروف یا اصوات کی قرات تھوڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ رومن اور ناگری کی نسبت مختصر نویسی کے لیے اردو خط کی یہ خوبی شمار ہوتی ہے۔ 'دیوناگری میں بھی اگرچہ ایک آواز کے لیے ایک حرف مقرر ہے لیکن ساکن حروف کو چھوڑ کر جن کے ٹکڑے اگلے حروف میں جوڑے جاتے ہیں باقی متحرک حروف پورے لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے مختصر نویسی میں یہ بھی اردو کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (۳۹)

ایک باب اردو ٹائپ رائٹر کے کلیدوں کی بحث کے لیے مخصوص ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس مضمون میں ٹائپ رائٹر کے لیے اردو کلیدوں کی تیاری اور ترتیب کے حوالے سے تجاویز پیش کی ہیں۔ اس عمل میں انہوں نے لسانی و تکنیکی پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کی ہے۔ اردو نستعلیق کے کلیدوں کی تیاری کے دوران پیش آمدہ مشکلات کا انہیں بخوبی اندازہ ہے۔ لیکن وہ بجائے گھبرانے اور پہلو تہی برتنے کے ان سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ وہ اسے ذہنی غلامی کا ہی تسلسل سمجھتے ہیں کہ ہم ان مشکلات کا حل ڈھونڈنے کی بجائے دوسروں کے منصوبوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ 'آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ منصوبہ تو مختلف اور بڑا ہو لیکن اس پر عمل کرنے میں لاگت، محنت اور پیش آنے والی مشکلات میں اضافہ نہ ہو۔ (۴۰) ٹائپ رائٹر کی تیاری کے درپیش مسائل دور ہو چکے ہیں۔ کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد ٹائپ رائٹر کی افادیت اور استعمال نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ کمپیوٹر میں اردو جس خط میں چاہیں بہ سہولت تحریر کر سکتے ہیں۔ اردو حروف تمام صورتوں، علامات و اعراب کے ساتھ تحریر ہوتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں دو باب ضمیمے کے طور پر شامل ہیں۔ ان میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو کے اعدادی نظام پر بحث کی ہے۔ پہلے ضمیمے میں جس کا عنوان 'اردو کا ناقص طرز تحریر' ہے، وہ اردو کے اعدادی نظام کی تاریخ و ارتقاء پر نظر کرتے ہوئے اس کا تقابل دوسرے رسم الخط کے اعدادی نظام سے کرتے ہیں۔ دنیا کی بیشتر زبانوں کے رسم الخط بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہیں۔ جبکہ زبانوں کی ایک بڑی تعداد جن میں اردو بھی شامل ہے دائیں طرف سے لکھی جاتی ہے۔ البتہ اعداد لکھنے کا طریقہ ان دونوں قسموں میں ایک ہی ہے۔ یعنی اعداد بائیں سے دائیں جانب تحریر کی جاتی ہیں۔ عربی میں چونکہ یہی طریقہ رائج ہے اور اردو خط بھی عربی ہی کی ایک صورت ہے لہٰذا یہ اعداد کا نظام بھی عربی ہی کے طرز پر متعین ہوا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری اعداد کے اس طریقہ تحریر سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا

خیال ہے کہ ہم جس طرح بولتے ہوئے اعداد شمار کرتے ہیں، تحریر میں بھی اسی طرز کو اپنانا چاہیے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

> اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اعداد اردو کا مروجہ طرز تحریر ہماری بہت سی مشکلات کا ذمہ دار ہے اور اس طرز تحریر کا پورا پورا بوجھ ہماری کورانہ تقلید اور سہل پسندی کے سر ہے۔ اگر ہم اردو کو بھی اردو ہندسوں میں اور اردو کے طرز تحریر کے مطابق لکھنے لگ جائیں تو یہ تمام دقتیں اور ساری الجھنیں خود بخود دور ہو جائیں، یعنی اکائی کو دائیں طرف نہ رکھ کر بائیں جانب قرار دیں اور چار سو پینتیس کو ۴۳۵ کی بجائے ۵۳۴ لکھیں تو ہماری تحریر نہ صرف ہماری بول چال کے مطابق ہو جائے بلکہ اس میں سہولت بھی پیدا ہو جائے۔ (۴۱)

اردو اعداد کی تحریر کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری کی رائے اپنی جگہ اہم ہے لیکن یہاں چند سوال سر اٹھاتے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ موجودہ مروج طریقے میں کیا برائی ہے؟ سب اردو والے اس طرز سے مانوس ہیں اور بڑی سہولت کے ساتھ اعداد لکھتے چلے آرہے ہیں۔ دوسرا اگر یہ ایک بڑی خامی ہے تو کسی دوسرے ماہر لسان نے اس کی طرف اشارہ کیوں نہیں کیا؟ یقیناً مروج طرز کو اہمیت دی گئی ہے، اسی لیے املا کے حوالے سے سفارشات میں بھی کہیں اس خامی کا ذکر نہیں ہے۔ نیز ڈاکٹر سہیل بخاری سے اتفاق کرتے ہوئے اس طریقہ کار کو اپنایا جائے تو پہلی رکاوٹ تو یہ پیش آئے گی کہ نئے سرے سے اس کو ہر جگہ نافذ کرنا پڑے گا۔ اور اس کام میں ممکن ہے ایک مدت صرف ہو جائے۔ دوم یہ کہ قدیم حسابی و علمی سرمایہ سارا الٹ جائے گا اور ان کی تفہیم یکایک مشکل ہو جائے گی۔ ویسے بھی آج کل رومن اعداد کا زیادہ چلن ہے تو لامحالہ اس منصوبے سے اردو اعداد کا ابلاغ مزید پیچیدہ ہو جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۲۰۱

۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۴

۳۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۶

۴۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۷

۵۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۸

۶۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۸

۷۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۰۹

۸۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۱۰

۹۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۱۱

۱۰۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۱۵

۱۱۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۱۹

۱۲۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد، حصہ صرف، ایضاً، ص ۲۲۱

۱۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو زبان و ادب، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۲

۱۴۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۹

۱۵۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۲۹

۱۶۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۰

۱۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۱

۱۸۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۱

۱۹۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۱

۲۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۲

۲۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۳

۲۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۳۹

۲۳۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص ۴۳

۲۴۔ گوپی چند نارنگ، املا نامہ (سفارشات املا کمیٹی، ترقی اردو بورڈ، بھارت)، سرحد اکیڈمی) قلندر آباد)، ایبٹ آباد، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۵۲

۲۵۔ اعجاز راہی، سفارشات املا اور موزا و قاف، مقدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۱۱

۲۶۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۶۳

۲۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۶۸

۲۸۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۷۱

۲۹۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۷۴

۳۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۷۵

۳۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۷۹

۳۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۸۲

۳۳۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۹۱

۳۴۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۹۱

۳۵۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۹۲

۳۶۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۹۳

۳۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۹۳

۳۸۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۱۰۳

۳۹۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۱۱۹

۴۰۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۱۱۹

۴۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو رسم الخط کے بنیادی مباحث، ایضاً، ص۱۲۳